© rasailojaraid.com

قرار دے کر مطمئن ہو رہنا ذہنی و فکری خودکشی کے مترادف ہے۔ مارکس اور دوسرے مادہ پرست اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ زندگی کو مادیت پر فوقیت حاصل ہے۔ ایک فائق تر شے اپنے سے ادنیٰ درجے کی چیز کی تابع کیوں کر ہو سکتی ہے۔ زندگی شعور و احساس کی ایک آباد دنیا ہے جس کا سرچشمہ کوئی باشعور قادرِ مطلق ذات ہی ہو سکتی ہے اور صرف وہی ذات زندگی کا مقصود و منشا بھی قرار پا سکتی ہے۔ خدا کو اپنی زندگی سے الگ کر کے صرف یہی نہیں کہ انسان خدا کے حق کو نظرانداز کرتا ہے، بلکہ اس کا یہ رویّہ خود اس کے اپنے خلاف بھی ہے کیونکہ اس طرح وہ اپنی حیثیت کو گرا دیتا ہے۔ اس بات کو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ہمارے جسم کے تمام اعضا ہاتھ، پیر وغیرہ بظاہر اپنی مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی حیثیت جو کچھ ہے وہ ہماری شخصیت کی نسبت سے ہے۔ اگر ہمارے دست و پا ہماری شخصیت کے تابع نہ ہوں تو ان کا وجود بے معنی ہو کر رہ جائے۔ نظامِ جسمانی میں مرکزی حیثیت ہماری شخصیت کو حاصل ہے۔ اس لیے ہمارے تمام اعضا اپنی حیثیت کو باقی رکھنے کے لیے ہر لمحہ ہمارے دستِ نگر رہتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ہماری اصل حیثیت کی تعیین خدا کی نسبت سے ہوتی ہے۔ اس نسبت و تعلق کے بغیر ہماری حالت ایک ایسے ہاتھ پیر کی رہ جاتی ہے جس کو جسم سے کاٹ کر الگ پھینک دیا گیا ہو۔ ایسے کٹے ہوئے ہاتھ پیر اور خاک کے ڈھیر میں کوئی بنیادی فرق باقی نہیں رہتا۔ انسان یہ تو سمجھتا ہے کہ ہاتھ یا پیر کا جسم سے کٹ کر الگ ہونا اس کے لیے ہلاکت ہے۔ لیکن اپنی بے بصیرتی کی وجہ سے وہ اس ہلاکت کو محسوس کرنے سے بالعموم قاصر رہتا ہے جس [illegible] وہ خدا سے الگ ہو کر مبتلا ہوتا ہے۔

اخلاق انسان کے لیے کوئی ناخوشگوار بوجھ ہرگز نہیں ہے۔ رنگ و بُو پھولوں پر بوجھ نہیں پرندوں کے پر پرندوں پر کبھی بارِ ثابت نہیں ہوتے، بلکہ یہ پر اُن کے لیے باعثِ زینت بھی ہیں اور پرواز میں ان کے مددگار بھی۔ یہی حال پھولوں کے رنگ و بُو اور آنکھوں کی پلکوں کا بھی ہے۔ انسانی زندگی میں بھی حقیقی حُسن و خوبی اخلاق ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ اخلاق سے عاری ہو جانے کے بعد انسان کے پاس کوئی قابلِ قدر شے باقی نہیں رہتی۔ اخلاقی مطالبات ہماری فطرت کے اظہار کے سوا کچھ اور نہیں ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخلاق درحقیقت ایک عالمگیر اور آفاقی اصول کا نام ہے۔ وہی ہماری باطنی زندگی کا بھی قانون ہے۔ یہ اخلاق ہی ہے جس کے ذریعے سے انسان کی اندرونی زندگی میں توازن اور اس کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے۔ یہی وہ آفاقی اصول ہے جس کا مشاہدہ ہم کائنات کے نظام میں بھی کرتے ہیں۔ کائنات کی ساری چیزیں ایک صحیح اور فطری قانون کے تابع ہیں، جس کے پیچھے خدا کا ارادہ کام کر رہا ہے۔ اس کا اعتراف کرنے پر آج بڑے سے بڑے مفکر بھی اپنے کو مجبور پا رہے ہیں۔ انھیں یہ ماننا پڑا ہے کہ یہ کائنات ایک مشین کے مشابہ ہونے کے بجائے ایک ذہن سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔

(باقی)

(بقیہ مسلمانوں کا پہلا شہر)

کیوں نہ مجبور کرتے۔ ایسے عاملین حکومت کو تو وہ ڈھونڈتے رہتے تھے۔ مسند امام احمدؒ میں ہے حضرت عتبہؓ کہتے تھے ــــ دوستو! میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ حقیر ہونے کے باوجود اپنے کو بڑا سمجھوں۔ نبوت ختم ہو چکی ہے۔ انجام یہ ہوگا کہ اقتدار کے مراکز قائم ہوں گے اور تم بہت جلد ہمارے بعد امیروں کو آزماؤ گے۔

حضرت عتبہؓ نے اپنی خدمت چھوڑ دینے کی جو درخواست امیر المومنین سے کی تھی جب اُسے اُنھوں نے قبول نہ کیا تو اُسد الغابہ میں ہے کہ سفر کا آغاز کرتے ہی راستے میں دونوں ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی کہ بارِ الہا! تو مجھے بصرہ نہ پہنچا! دن پر دن منزلیں گزرتی گئیں۔ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دُعا کا کوئی اثر دیکھنے میں نہ آیا۔ ابن سعد اور ابن کثیر کی روایتیں جوڑ کر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کچھ دنوں بعد پیٹ میں درد اُٹھا۔ معدن بنی سلیم تک پہنچے تھے کہ حالت بگڑی، ایسی کہ اُونٹ پر سے گر پڑے۔ وہ تکلیف اور یہ صدمہ ۵۷ برس کی عمر تھی گرے تو پھر نہ اُٹھے۔ خدا نے ان کی سُنی اور بصرہ ہمیشہ کے لیے اُن سے چھوٹ گیا۔

© rasailojaraid.com